حضرت مولانا انور شاہ محدث کے درسی تقاریر

از مولوی سید محمد فاروق بخاری لکچرر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج سوپور

(۲)

اب ہم ان امالی کا ذکر کرتے ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں اور اطراف و آفاق کے علماء دین نے ان سے استفادہ کیا ہے اور برابر کرتے رہے ہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ان آمالی نے ہی صاحب آمالی کو بیرونی دنیا میں متعارف کرایا ورنہ وہ (شاہ صاحب) خود تحریری کام سے دور رہتے تھے اور جو رسائل اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں وہ حالات سے مجبور ہو کر لکھے۔

فیض الباری علیٰ صحیح البخاری: یہ کتاب مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کر کے علمی دنیا میں پیش کی۔ مولانا محدث کشمیری کے اخصِ تلامذہ میں سے تھے آپ کی حیات اور کارناموں پر متعدد مضامین چھپ گئے ہیں [۱]

اردو میں آپ کی مایہ ناز تصنیف "ترجمان السنۃ" شہرتِ عالم اور بقائے دوام حاصل کر چکی ہے۔

مولانا مرحوم کو اپنے استاد کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی۔ اس کا کچھ اندازہ ان کے ان الفاظ سے ہو گا۔

فان شیخی رضی اللہ عنہ ھو الذی	بیشک میرا استاد (شاہ صاحب) رضی اللہ عنہ
کان سمعی و بصری الذی اسمع بہ	میرا چشم و گوش تھا جن سے میں دیکھتا اور سنتا

[۱] ملاحظہ ہو ماہنامہ (دارالعلوم دیوبند، اگست و ستمبر ۱۹۷۲ء) و ترجمان السنۃ ۲۶ پیش

وابصّابه - واما الآن فالابواب
قد فتحتی اطرقها فلا تفتح لی وادخلها
فلا یرحب بی - اسلم فلا یرد علی
والله المستعان له

مگر اب دروازے مجھے دور کرتے ہیں۔ میں
انھیں کھٹکھٹاتا ہوں۔ مگر وہ میرے لئے
نہیں کھلتے۔ اگر داخل ہونے کے قابل ہوتا
ہوں۔ مگر اب خوش آمدید نہیں کہتا ہے
میں سلام کرتا ہوں مگر جواب سلام نہیں دیتا۔

حضرت شاہ صاحب رح کے دل میں بھی اپنے اس معنوی فرزند کی بے حد قدر و منزلت تھی۔ مولانا کی سند حدیث میں حضرت شاہ صاحب نے ان کے لئے "الذکی الزکی الاحوذی المکرم المفخم"، جیسے الفاظ لکھے ہیں آگے یہ درج فرمایا ہے:۔

احسبه والله حسیبه انه قد فهم علوم المحدثین من تتبع الطرق وفن الاعتبار والمتابعات والشواهد ومذاهب الائمة وفحص غرض الشارع وجمع المتغائر وغیر ذلک له

مولانا بدر عالم صاحب رح نے کئی چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں ان میں "ترجمان السنہ" اور ترتیب "فیض الباری" ان کا وہ کارنامہ ہے جو انھیں ہمیشہ کے لئے جلیل القدر علماء کے صف اول میں مقام دے گا۔ "فیض الباری" حضرت شاہ صاحب رح کے درسی تقاریر کا ۲۰۰۹ (دو ہزار نو) صفحات پر پھیلا ہوا عظیم الشان مجموعہ ہے۔ عرب وعجم کے محققین نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اور بڑے بڑے علماء نے وقیع الفاظ میں اس کی تعریف وتحمید کی ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

لیست منزلة هذه الامالی علی صحیح البخاری
فیما اری مثل منزلة جامع امالیه
علی جامع الترمذی - بل فاقه بکثیر سه

جہاں تک میں سمجھتا ہوں صحیح بخاری پر یہ مجموعہ
تقاریر جامع ترمذی کے درسی تقاریر (عرف
الشذی) جیسا نہیں ہے بلکہ اس سے بدرجہا بلند ہے

له فیض الباری ۵ ا (مقدمہ) ص ۲۰۰ له ص " سه ج ۱ ص ۸

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے صحیح البخاری سے متعلق افادات جو فیض الباری کے نام سے شائع ہوئے ہیں آج بھی علماءِ حدیث اور طلبۂ علم کے لئے ایک قیمتی ذخیرہ ہیں۔ [1]

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم و مغفور فرماتے ہیں۔

"بخاری کی املائی شرح فیض الباری کے مسودے کو لیکر ایک صاحب مصر بھیجے گئے اور مصر میں قیام کرکے اس عزیز اور جو گرامی منزلت کتاب کو بہترین کاغذ پر روشن اور جلی ٹائپ کے حروف میں طبع کرا کے واپس آئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہی افادات قیمہ جن کے متعلق اندیشہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں خدانخواستہ گم ہوکر ختم ہو جائیں گی۔ چاہنے والے نے جب چاہا تو اسلامی دنیا کے مشارق الارض و مغاربھا کے آخری حد تک ان کو پہنچا دیا اور کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی آئندہ کتنی نسلیں سرزمین ہند کے ان علمی اکتشافات سے مستفید اور متمتع بہرہ ور ہوتی رہیں گی۔ [2]

مولانا بدر عالم صاحب فیض الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ اول اول وہ اپنے آپ کو ہرگز اس کام کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ مگر جب حضرتؒ کے درس میں متعدد بار شامل ہونے کا موقعہ ملا اور معانی و مطالب حتی المقدور سمجھ لئے گئے تو اس میدان میں وارد ہونے کا عزم پھر عود کر آیا مگر یہ عزم، عزم ہی عرصے تک رہا اتنے میں حضرت شاہ صاحب اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو اب یہ عزم عملی صورت اختیار کر گیا پھر تو حالت یہ ہو گئی (مولانا ہی کے الفاظ میں)

فطفقت أؤلفه فی ضوء النهار وطلوع الکواکب وجلبت له بکل راجل لی و راکب (فیض الباری مقدمہ ص ۶۹)

پھر میں نے یہ کتاب دن کی روشنی اور تاروں کی چمک میں تالیف کرنی شروع کی اور ہر قسم کے آدمی کو اس پر اکسایا۔

---

[1] ہندوستانی مسلمان، لکھنؤ ۱۹۶۱ء ص ۳۹۔ [2] حیاتِ انور ص ۹۶-۹۷

مولانا یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض مقامات پر معانی و مطالب سمجھنے میں مجھے مایوسی ہوئی ۔ کیونکہ حضرت الاستاد دارالحدیث میں لکھانے کی غرض سے درس نہیں دیتے تھے بلکہ سمجھانے کے لئے ۔ اس لئے اطمینان کے ساتھ لکھنا ناممکن تھا ۔ پھر حضرت رح درس دیتے وقت ایسا لگتے تھے گویا سامنے ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے اور ایک بحث کے ساتھ دوسرے بیسیوں مباحث آتے تھے ۔ اس حالت میں درس کا مِن وعَن لکھنا قطعاً ناممکن ہوتا تھا اور لکھنے والے کا کہیں کہیں الجھ کر رہ جانا قدرتی امر تھا ۔ اس وجہ سے جیسا کہ خود مولانا میرٹھی فرماتے ہیں کہیں علما کے نام درج ہونے سے رہ گئے ۔ اور کہیں غلط درج ہوئے یہی حال متقدمین کے اسفارِ علمیہ کے سلسلے میں ہوا ۔ کبھی نقل مذاہب میں بھی تحریف واقع ہوئی ۔ اس صورت میں حضرت رح کے دوسرے ذی استعداد تلامذہ اور وابستہ علماء کی طرف رجوع کرنا ناگزیر بن گیا ۔" [1] اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو اس طرح دور کیا کہ حضرت مولانا میرٹھی کو دو اہم مجموعۂ امالی ملے جنھیں مولانا عبدالقدیر اور مولانا عبدالعزیز کاملپوری نے جمع کیا تھا ۔ ان امالی سے مولانا نے کافی استفادہ کیا اور فیض الباری میں جگہ جگہ حاشیہ پر حوالہ بھی دیا ہے ۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ فیض الباری کی تصحیح و ترتیب میں کچھ اور اہل علم کا ہاتھ ہے ۔ جن میں مذکورہ بالا دو علماء کے علاوہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا احمد رضا صاحب بجنوری قابل ذکر ہیں ۔ اس لئے فیض الباری پر کام کرنے والوں کو ان کا نام کبھی نہ بھولنا چاہئے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بالکل درست لکھا ہے ۔

جمع بعض کبار اصحابہ بعض تحقیقاتہ وافاداتہ فی درس "الجامع الصحیح" آپ کے بعض بلند پایہ شاگردوں نے بخاری شریف سے متعلق کچھ تحقیقات وافادات

---

[1] فیض الباری علی صحیح البخاری مقدمہ ص ۱۹ ۔

البخاری وسماہ فیض الباری فی اربعة مجلدات، تولّی تالیفها و تحریرها الشیخ بدر عالم المیرتھی۔

جمع کئے اس مجموعہ کا نام فیض الباری رکھا جو چار جلدوں پر مشتمل ہے اس کی ترتیب و تحریر کا کام مولانا بدر عالم میرٹھی نے انجام دیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ فیض الباری میں کہیں کہیں حضرت جامع رحمۃ اللہ کے تسامحات بھی ملتے ہیں۔ اس کے متعدد وجوہات ہیں۔ اولاً: حضرت شاہ صاحب کو جو علمی تبحر تھا وہ ان کے تلامذہ میں نہ تھا ثانیاً: حضرت شاہ صاحب کا ایک ایک جملہ اپنے اندر مطالب و معانی کا چھوٹا موٹا خزانہ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام جلسوں میں کم علم اور کم فہم لوگ آپ کی تقریر سے اُکتا جاتے تھے بعض اوقات لوگ جلسہ چھوڑ کر ہی نکل جاتے تھے۔ خود حضرت نے ایک بار فرمایا کہ بعض اوقات بہت نیچے اتر کر بات کرتا ہوں تب بھی لوگ نہیں سمجھتے۔ ۵۳

---

۵۲ نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر ج ۸۔

۵۳ میں نے ایک صاحب علم بزرگ سے یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک بار حضرت شاہ صاحب کشمیر تشریف لائے۔ میر واعظ کشمیر کی طرف سے اعلان ہوا کہ مولانا انور شاہ صاحب دیوبند سے تشریف لائے ہیں وہ کل جامع مسجد سرینگر میں تقریر فرمائیں گے۔ کل حضرت شاہ صاحب علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جامع مسجد سرینگر تشریف لائے۔ عصا ہاتھ میں سنبھال کر ممبر پر تشریف لائے۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے وعظ ٹھوس علمی تھا اور عوام کی سمجھ سے بالاتر ثابت ہوا۔ اس لئے لوگ اکتا کر مسجد سے نکلنے لگے۔ شاہ صاحب یہ دیکھ کر خود حیران ہوئے اور فرمانے لگے: حضرات بیٹھئے، میرے ہاتھ میں تنبیہ الغافلین ہے (یہ عصا کی طرف اشارہ تھا) تب بھی لوگ نہ بیٹھے۔ اتنے میں میر واعظ صاحب خود درمیانی صف سے کھڑے ہوئے اور پُر رعب لہجے میں لوگوں کو نکلنے سے منع کیا۔ اس کے باوجود لوگوں کے نکلنے میں فرق نہ آیا۔

اس سلسلے میں حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے الافاضات الیومیہ میں شملہ کے ایک جلسہ کا ذکر ہے جو پڑھنے کے قابل ہے اور ہم اسے طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں[۱] غرض آپ کے تلامذہ خود صاحب علم وفضل تھے مگر استاد کا مقام دوسرا ہی تھا۔ ثالثاً حضرت کی تقریر اردو میں ہوئی تھی مگر مولانا بدرعالم صاحب نے اسے عربی کا جامہ پہنایا ان وجوہات کی بنا پر امالی جمع کرنے والے طلبا تسامحات کے مرتکب ہوئے۔ پھر یہ بات حضرت مولانا میرٹھی کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح کے نقائص دیگر امالی نگار تلامذہ میں بھی موجود ہیں یہاں تک کہ فاضل جلیل اور محقق عصر مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ کے امالی ابوداؤد میں بھی اہل علم نے اس کی خامیاں پائی ہیں۔

فیض الباری بڑے سائز کے چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ صفحات کی مجموعی تعداد ۲۰۰۹ ہے۔ انہی میں وہ بسیط مقدمہ بھی شامل ہے جو ۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ مقدمہ کے ابتدائی تیس صفحات مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے لکھے ہیں جس میں علم حدیث کا اجمالی تعارف مذاہب اربعہ سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر محدثین کے اسماء گرامی، صاحب امالی (حضرت شاہ صاحب) کے حالات زندگی، علمی کمالات درسی خصوصیات اور تحریری و تقریری کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقدمے کا دوسرا حصہ جامع امالی (مولانا میرٹھی) کے قلم سے ہے جس میں فقہ اور فقہ حدیث سے متعلق اہم قواعد واصول پر اپنے استاد کے ارشادات کی روشنی میں بحث کی ہے۔ فیض الباری میں اصل کتاب یعنی صحیح بخاری کا متن نہیں ہے۔ مولانا بدرعالم صاحب نے ارشاد الباری کے نام سے جگہ جگہ حواشی بھی درج کئے ہیں۔ ان میں حضرت شاہ صاحب کے اجمالی مباحث کی تفصیل وتوضیح ہے اور بعض مقامات پر موضوع زیر بحث کی اہمیت کے پیش نظر ان کتابوں کی اصل عبارات درج کی ہے جن کی طرف حضرت شاہ صاحب نے اشارہ کیا ہوتا ہے جیسا کہ مولانا بدرعالم

---

[۱] الافاضات الیومیۃ، تھانہ بھون، ج ۶ ص ۱۹۲

صاحب نے خود تصریح کی ہے۔

مولانا نے شاہ صاحب کے ایک شاگرد کی حیثیت سے تین بار درس صحیح بخاری میں شمولیت کی ہے اس کے علاوہ مزید سات سال تک استفادہ کیا ہے۔ اس طرح سے پورے دس سال تک اپنے استاد کی صحبت میں بیٹھکر علوم وافادات سے اپنے دامن کو مالا مال کیا جس کا عملی ثبوت فیض الباری ہے۔ چاروں جلدیں مجلس علمی ڈابھیل کے اہتمام سے قاہرہ کے دو مختلف مطابع میں نہایت عمدہ ٹائٹ سے چھپ کر ۱۹۳۶ء میں منظر عام پر آئیں۔ مالی مدد جمعیۃ العلماء جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) کی طرف سے مل گئی اس میں پیش پیش مولانا محمد موسیٰ افریقی ثم الپاکستانی تھے۔ جن کے بارے میں مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں یہی ایک شاگرد ایسے ہیں جو اپنے استاد کے ساتھ ہر طرح کی ظاہری مشابہت رکھتے تھے اور اس حیثیت سے صحیح معنوں میں فنا فی الشیخ تھے۔ انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد امالی کا یہ گرانمایہ مجموعہ حضرتؒ کے ایک اور نامور شاگرد مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی نے مرتب کیا ہے۔ یہ مجموعہ کئی اعتبار سے دیگر امالی پر فوقیت رکھتا ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کا مسودہ خود حضرت شاہ صاحب نے ملاحظہ فرمایا ہے اور بہترین قرار دیا ہے بلکہ اس کی طباعت کے لئے خود بھی کوشش فرماتے تھے ابوداؤد پر کام کرنے والے محققین اس کتاب سے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتے ہیں مگر بدقسمتی سے علم حدیث پر کام کرنے والوں سے یہی اہم کتاب اوجھل ہوگئی ہے۔ مولانا محمد تقی مظاہری ندوی نے "محدثین عظام" میں جہاں ابوداؤد کے شارحین کے اسماء گرامی کا استقصاء کرنے کی کوشش کی ہے وہاں "انوار المحمود" کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔

حضرت مرتب کا نام عبد الباری محمد، عرف صدیق اور کنیت ابو العتیق ہے

نجیب آباد میں پیدا ہوئے ہیں۔ والد اور اجداد کے اسمار خود ہی اس طرح ذکر کئے ہیں اللہ بخش بن شیخ محمد مراد بن شیخ بخش ہے۔ ان کے والدِ بزرگوار بھی بلند پایہ عالم دین تھے۔ خود مولانا صدیق صاحب نے ان کے لئے علامۃ الوقت وفہامۃ الزمن الواقف بالاحادیث والسنن" [1] لکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ابوداؤد۔ مؤطا امام مالک، موطا امام محمد، شرح معانی الآثار۔ حضرت شیخ الہند کے پاس جامع ترمذی اور صحیح بخاری، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے پاس سنن نسائی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی سے صحیح مسلم اور مولانا غلام رسول صاحب کے ہاں سنن ابن ماجہ کا درس لیا ہے۔ چار مرتبہ حضرت شاہ صاحب کے درس بخاری میں شامل ہوئے ہیں۔ آپ نے ایک عرصہ تک مدرسہ صدیقیہ دہلی (پھاٹک حبش خاں) میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس دیا ہے۔

جس طرح فیض الباری کے حضرتِ مرتب نے ترتیب و تدوین کی تحریک پر پوری روشنی ڈالی ہے اس طرح مولانا صدیق صاحب نے نہیں کیا ہے۔ البتہ اتنا یقینی ہے کہ حضرتِ شاہ صاحب کی حیات ہی میں انھوں نے یہ کام انجام دیا ہے۔ مگر طباعت وفات کے بعد عمل میں آئی۔ حضرتِ شاہ صاحب اس اہم کام سے مطمئن نظر آتے ہیں۔ اپنے ایک مکتوب میں (جو انوار المحمود کی دونوں جلدوں کے ساتھ ہے) اپنے لائق شاگرد کو لکھتے ہیں۔

"خلاف امید اتنا بڑا کام باوجود مشغلۂ درس و تدریس کے جو تم نے انجام دیا ہے اس سے بے حد مسرت ہوئی۔ [2]

کتاب کی صحت و اعتبار اور اہمیت وافادیت پر یوں مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں "اس سے طلبا کو عرف الشذی سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ جو اس میں خامی تھی

---

[1] انوار المحمود ج ۱ ص ۲ ۔ [2] انوار المحمود ج ۱ و ۲ (ابتدائی صفحہ ۲)

وہ بھی رفع ہو گئی ہے۔"

اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تقریظ میں ارقام فرمایا ہے۔

"میرے عزیز محترم .... نے سنن ابی داؤد پر نہایت مفید حل جامع و نافع تعلیق اپنے اساتذہ اور اکابر جماعت کی تحقیقات سے استفادہ کر کے انوار المحمود کے نام سے شائع کی ہے جس میں خصوصی طور پر بحر العلوم سید المحدثین حضرتِ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کی تقریراتِ رائقہ نہایت شرح و بسط کے ساتھ درج کی گئی ہیں۔ [1]

علامہ عثمانی کے علاوہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کی تقریظیں بھی شامل ہیں۔

مرتب مرحوم و مغفور نے انوار المحمود میں یوں تو بہت سے اگلے پچھلے محدثین و فقہاء سے استفادہ کیا ہے مگر حضرت شاہ صاحب اور ان کے بعد حضرت شیخ الہند کتاب پر چھائے ہوئے ہیں۔ بلکہ اسی مناسبت سے کتاب کا نام انوار المحمود رکھا گیا ہے جو مولانا انور شاہ اور مولانا محمود الحسن کی طرف اشارہ ہے۔ ان دو نادرۂ روزگار محدثین کے علاوہ مولانا صدیق صاحب نے زیادہ فیض اور فائدہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب "فتح الملہم" اور مولانا خلیل احمد صاحب "بذل المجہود" سے حاصل کیا ہے کتاب میں مرتب محترم جب شاہ صاحب کے بغیر دیگر محدثین کے افادات ذکر کرتے ہیں تو ان کے اسمائے گرامی کا حوالہ درج کرتے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس شاہ صاحب کا نام بہت کم لیتے ہیں اس کی وجہ انھوں نے یہ لکھی ہے کہ کتاب حضرتِ شاہ صاحب ہی کے افادات سے گھری ہوئی ہے اس لئے جگہ جگہ نام ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی اور جہاں نام ذکر کیا جاتا ہے تو ایسا لذت طلبی کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں ۔

---

[1] انوار المحمود ج ۲ - ص ۳

اذا قلتُ، قلتُ علی لسان شیخنا الانور
متعنا اللّٰہ بطول بقائہٖ (آمین) ربما
سمیتہٗ تلذذاً فالاکثر بل الکل منہ
نوّر اللّٰہ قلوبنا بنورہ ؎۱

جب میں کہتا ہوں تو میرا کہنا ہمارے شیخ انور کی زبان سے ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں ان کی درازیٔ عمر سے متمتع کرے۔ کتاب کا اکثر حصہ بلکہ یہ سب کچھ انہی کا ہے اللہ ہمارے دلوں کو ان کے نور سے روشن کرے۔

الانوار المحمود:- دو جلدوں پر مشتمل ہے پہلی جلد چھتیس صفحات پر پھیلے ہوئے ایک مقدمہ سے شروع ہوتی ہے۔ اس مقدمہ میں دس فصول ہیں۔ جن میں تدوین و اشاعتِ حدیث کا اجمالی ذکر، ائمہ اربعہ، صحاح ستہ کے مؤلفین نیز بائیس دیگر محدثین کے حالات، علوم اسلامیہ بالخصوص فقہ مذاہب اربعہ کی صدرِ اسلام سے آج تک نشر و اشاعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ طیبات، اصول فقہ کے چند بنیادی اصول جیسے تحقیق مناط، تنقیح مناط، اور تخریج مناط، کی تشریح و توضیح صفات و متشابہات جیسے استویٰ علی العرش، حدوث و قدمِ عالم و وجود باری کے بارے میں مسلکِ اہل سنت کی وضاحت، علم حدیث کا موضوع اور اس کی غایت، اصطلاحات محدثین کی تشریح، امام ابو داؤد کے حالاتِ زندگی اور علمی کارنامے اور آخر میں اپنے اسلاف محدثین خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تذکرہ وغیرہ مختصر مگر جامع الفاظ میں کیا گیا ہے۔ دوسری جلد کے آخر میں حضرت شیخ الہند اور حضرت شاہ صاحب کے حالات بھی شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے یہ حالات مولانا بنوری کی نفحۃ العنبر سے ماخوذ ہیں۔

مقدمہ کے بعد کتاب شروع ہوتی ہے اور پورے ۶۱۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مرتب مرحوم نے ۱۳۴۴ھ میں اس کی ترتیب مکمل کی ہے۔ مگر طباعت اس کے پورے بارہ[12]

؎۱ انوار المحمود ج ۲، متنبی کا مشہور شعر ہے:
اسامیاً لم تزدہٗ معرفۃً
انما لذۃً ذکرناھا

سال بعد عمل میں آئی ہے یعنی ۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۵۶ھ میں کتاب شائع ہوئی ہے۔ دوسری جلد کے مجموعی صفحات ۵۷۶ ہے۔ دونوں جلدیں جمال پرنٹنگ پریس میں چھپی ہیں۔

مرتب کی خوبی جو نمایاں طور پر نظر آتی ہے یہ ہے کہ اپنے اسلاف محدثین کے علاوہ جہاں دیگر محدثین کے اقوال و آرا نقل کرتے محسوس ہوئے تو ان کی کتابوں کے اقتباسات بھی نقل کئے ہیں۔ اس طرح معانی و مطالب میں کوئی اشتباہ اور پیچیدگی باقی نہیں رکھی دوسری خصوصیت یہ ہے تصوف کے پیچیدہ مسائل کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کی ذاتی رائے اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ البتہ بیان میں حد سے زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے جب تک آدمی ان مسائل پر مشتمل معتد بہ ذخیرہ نہ کھنگالے۔ انوار المحمود کے مختصر اور مجمل اشاروں سے زیادہ اطمینان نہیں حاصل ہوگا۔ مولانا بدر عالم میرٹھی رح کی جس طرح یہ انفرادی خصوصیت ہے کہ انھوں نے "فیض الباری" اور "ترجمان السنہ" میں شیخ اکبر اور امام شعرانی کے مضامین نہایت سلیقے اور احتیاط سے (بالخصوص ترجمان السنہ میں) سے قلمبند کئے ہیں اسی طرح مولانا صدیق صاحب کی یہ امتیازی شان ہے کہ انھوں نے تصوف اور کلام میں حضرت شاہ صاحب رح کے تفردات کو کما حقہ سمجھا ہے۔

العرف الشذی علی جامع الترمذی | حضرت شاہ صاحب نے کافی عرصہ تک نہایت تحقیق واتقان کے ساتھ امام ترمذی کی شہرہ آفاق کتاب "جامع ترمذی" کا درس دیا ہے۔ اسی کتاب سے متعلق شاہ صاحب کے افادات زیر تبصرہ کتاب ہے جسے مولانا چراغ علی صاحب نے جمع کیا ہے۔ مولانا وطناً گوجرانوالہ کے اور درساً دیوبندی ہیں۔ العرف الشذی کی زبان بھی عربی ہی ہے اور ۱۳۴۳ھ میں مطبع قاسمیہ دیوبند سے پہلی بار شائع ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب بھی تحقیقات کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے مگر "فیض الباری اور انوار المحمود کا مقام اس سے بلند ہے۔ حضرت مرتب نے کوئی مقدمہ

یا دیا جو لکھے بغیر ہی حمد و صلوٰۃ کے ساتھ کتاب شروع کی ہے۔ البتہ ترتیب کی مناسبت، اختصار کے ساتھ جامعیت، تحقیقِ رجال اور تائید مسلک امام ابو حنیفہؒ کی رعایت اس کتاب کی وہ معنوی خوبیاں ہیں جو کسی طرح نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہیں۔ لیکن طباعت و کتابت کی بے شمار غلطیوں نے کتاب کی خوبیوں کی چھپا دیا ہے۔ اس کے باوجود چوٹی کے علماء نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں۔

"جامع ترمذی کے مشکلات، احادیث احکام پر محققانہ کلام، ہر موضوع پر اکابر امت کے عمدہ ترین نقول اور حضرتؒ کی خصوصی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ طلبۂ حدیث اور اساتذۂ حدیث پر عموماً اور جامع ترمذی کے پڑھانے والوں پر خصوصاً اس کتاب کا بڑا احسان ہے۔" [۱]

مولانا بنوری اطلاع دیتے ہیں کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔ مگر راقم نے یہ نہیں دیکھا اس وقت وہی نسخہ پیش نظر ہے۔ جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ کتاب کے مجموعی صفحات ۵۴۴ ہیں۔

امالی مرتبہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ۔ ماضی قریب کے ہندوستان کے نامور فضلا میں علامہ گیلانیؒ جس مقام کے مالک ہیں وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔ بلند پایہ علماء نے مؤقر جرائد میں ان کے حالات شرح و بسط سے لکھے ہیں۔ [۲]

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے جن پانچ تلامذہ کو علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دائرۂ علم سے تعبیر کیا ہے ان میں مولانا گیلانی سر فہرست ہیں۔ [۳]

---

[۱] حیاتِ انور: ص ۲۲۴۔ [۲] المعارف، اعظم گڈھ ۱۳۷۵ھ مقالہ از سید صباح الدین صاحب۔ (ب) "پرانے چراغ" از مولانا ابوالحسن علی ندوی (ج) البعث الاسلامی ندوہ اپریل ۱۹۷۵ء مقالہ از ڈاکٹر احتشام احمد ندوی ـــ ان مستقل مقالات کے علاوہ دیکھئے "برہان" جولائی اور صدق جدید ستمبر ۱۹۵۶ء [۳] یادِ رفتگان، کراچی ص ۴۵۳۔

مولانا گیلانی کو شاہ صاحب کے تلمیذ ہونے پر فخر تھا۔ اپنی تصانیف میں اپنے استاد کو "سیدنا الامام کشمیری" اور "خاتم الفقہاء و المحدثین" جیسے القاب سے پکارتے ہیں۔ خود بھی حضرت شاہ صاحب ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دار العلوم سے قطع تعلق کر کے جب حضرتؒ نے ڈابھیل میں درس دینا شروع کیا تو مولانا گیلانی کو بھی وہاں درس دینے کیلئے بلانے کی کوشش کی مگر موصوف کسی مجبوری کی بناء پر وہاں نہ جا سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو "شیخ اکبر" سے جو تعلق تھا وہی مولانا گیلانی کو بھی تھا۔ بلکہ کہنا چاہئے حضرتؒ کی وراثت صرف مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہما اللہ کے حصے میں آئی تھی۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی بھی حضرتِ شاہ صاحب کے دروس و افادات قلمبند کرتے تھے۔ یہ ابھی تک مخطوط کی صورت میں ہی ہیں۔ مولانا گیلانی روزانہ تین تین چار چار ورق برجستہ عربی میں لکھتے تھے کیونکہ انہی کے بقول شاہ صاحب کے دروس لفظاً اردو میں ہی ہوتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ کاٹ ہے، اردو کے بغیرہ عربی الفاظ ہی کا ذخیرہ ہوتا تھا۔ اس لئے لکھنے والے کو عربی میں لکھنا ہی آسان محسوس ہوتا تھا۔ تعجب ہے مولانا گیلانی نے یہ مجموعہ امالی کسی وقت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو دیا تھا مگر موصوف کو یہ یاد نہیں رہا اور ہمیشہ حسرت کے ساتھ یہ کہتے رہے کہ جان سے عزیز یہ مجموعہ کوئی چوری لے گیا اُن کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

"افسوس ہے کہ ظلم کرنے والے نے مجھ پر ظلم کیا اور زندگی کے اس مسودے کو جو جان سے بھی عزیز تھا کسی صاحب نے اس سے مجھے محروم کر دیا۔ جب اس کا خیال آتا ہے تو بے ساختہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف کا مشہور شعر

آنچہ از مَن گم شدہ گر از سلیماں گم شدے ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

میرے پاس زمانے تک کئی سو صفحات کی تقریریں موجود تھی، جلد بند ہوا لی گئی تھی حضر و سفر میں ساتھ رہتی تھی۔ اچانک ایک دن تلاش پر معلوم ہوا کہ کسی نے اڑا لی" [1]

[1] حیاتِ انور: طبع دوم ص۲۴

واقعہ یہ ہے کہ کتاب کسی نے اڑالی نہیں تھی بلکہ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے عاریتہً لی تھی۔ خود فتح الملہم میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا عبدالحلیم چشتی نے اپنی تحقیقی کتاب شرح "عجالۂ نافعہ" میں بھی اس سے فائدہ حاصل کیا ہے ؎۱۔ حافظ ابن حجرؒ کے تذکرہ میں ایک اقتباس پیش کیا ہے۔ البتہ عربی اونچی نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جس وقت علامہ گیلانی شاہ صاحب کے درس میں شامل ہوتے تھے اس وقت ان کی عمر کم و بیش بیس سال کی تھی۔ اگرچہ وہ اس وقت بھی ایک فارغ التحصیل فاضل جلیل تھے مگر قلم کی پختگی کے لئے جو وسیع تحریری تجربہ درکار ہوتا ہے وہ ابھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب قلم نے اپنے جوہر دکھانے شروع کئے تو ایک انفرادی مقام حاصل کیا۔ میگزین "المجلۃ الاسلامیۃ" حیدرآباد میں ان کا جو بسیط عربی مقالہ زیر عنوان "الشیخ الاکبر وعقیدتہ" شائع ہوا ہے وہ ان کی جلالت علم اور عربی علوم کا غواص ہونے پر پوری روشنی ڈالتا ہے۔ یہ مقالہ اس قابل ہے کہ پڑھا اور بار بار پڑھا جائے۔ غرض یہ مجموعہ امالی اس وقت بھی موجود ہے اور علامہ عثمانی کے برادر جناب فضل احمد کے پاس ہے۔ مولانا گیلانی اطلاع دیتے ہیں کہ بخارا کے ملا عبدالحکیم اور دربھنگہ کے مولانا عبدالرحیم التزاماً روزانہ ان درسی تقاریر کو نقل کر لیا کرتے تھے۔

معارف السنن و انوار الباری: ۔ اول الذکر تصنیف مولانا محمد یوسف بنوری کی جلیل القدر شرح ترمذی ہے اور موخر الذکر مولانا احمد رضا بجنوری کی شرح صحیح بخاری ہے۔ دونوں فضلا کو حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں وہی مقام حاصل ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کو ہے۔ ان دونوں کتابوں نے عرب و عجم میں کافی مقبولیت حاصل کی ہے۔ راقم کے تعارف و تعریف سے بہت بلند ہیں۔

؎۱ فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ کراچی ۱۲۴